گذشتہ لیکچر میں بھی اس حوالے سے بیان کیا گیا تھا کہ دراصل وہ قومیں جو اپنی زبان کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتیں ہیں وہ کبھی زوال کا شکار نہیں ہوتیں انہوں نے سوچا کچھ یوں کہ اس وقت کے مسلمان officially یا معیاری درجے پہ بالائی طبقات میں فارسی کے زیادہ قریب تھے لہٰذا اردو کو رواج دینے کا مقصد دراصل اردو سے محبت نہیں تھا بلکہ وہ مسلمانوں کو ان کی اس زبان سے محروم کرنا چاہتے تھے یا اس زبان سے قدرے دور لے جانا چاہتے تھے جو ان کے عروج کا باعث ہو سکتی تھی جس میں ان کی تہذیب و ثقافت کے نمونے محفوظ تھے اور جس میں ان کی تاریخ محفوظ تھی لہٰذا انہوں نے اردو کو رواج دیا اپنے مخصوص مقاصد کے تحت اسے رواج دیا۔ لیکن ہم اس حوالے سے ان کے ممنون ہیں کہ ان کی اپنے ارادے سے کی گئی کاوشوں کے نتیجے میں اردو کو رواج ضرور ہوا اور یہ وہ نقطہ تھا جہاں پہ گذشتہ لیکچر ختم ہوا تھا اور اس میں بتایا گیا تھا کہ اگلے لیکچر سے باقاعدہ طور حصہ نثر میں شامل اصناف کے ذریعے اردو نثر کے مختلف معیارات، مختلف رجحانات کا جائزہ لیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں بات کی جائے گی خطوط نویسی کی اور شاملِ نصاب غالب کے خطوط کا مطالعہ کیا جائے گا اس کے بعد سر سید احمد خان کی صنف مضمون نویسی ہو گی اور بعد ازاں ڈپٹی نذیر احمد کا تذکرہ کرتے ہوئے اردو ناول کا ارتقاء اور ان کے شاملِ نصاب ناول اقتباس کا مطالعہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد افسانہ نگاری پر بات کرتے ہوئے افسانہ نگاری کے ارتقاء کا جائزہ لیا جائے گا۔ منشی پریم چند کی افسانہ نگاری کی خصوصیات کا ذکر ہو گا اور ان کا شاملِ نصاب افسانہ کا مطالعہ کیا جائے گا اس کے بعد ڈرامہ نگاری کے حوالے سے بات کرتے ہوئے حجاب امتیاز علی پر بات کی جائے گی اردو ڈرامے کے ارتقاء کی بات ہو گی اور امتیاز علی تاج کے ڈرامہ نگاری کے فن کا جائزہ لیا جائے گا پھر شفیق الرحمٰن کے حوالے سے، اردو سفر نامے کا ارتقاء دیکھا جائے گا شفیق الرحمٰن کے سفر ناموں کی خصوصیات پر بات کی جائے گی اور شاملِ نصاب متن کا مطالعہ ہو گا اور اس حصہ کے آخر میں مشتاق احمد یوسفی کے حوالے سے بات ہو گی اور اردو میں مزاح نگاری کا تذکرہ کیا جائے گا اور ان کے شاملِ نصاب متن کو پڑھ کر دیکھا جائے گا کہ مشتاق احمد یوسفی نے اردو مزاح میں وہ کیا ایسا کارنامہ سرانجام دیا کہ ان کے مقابل آج دور دور تک کوئی اور مزاح نگار نظر نہیں آتا۔

اس لیکچر میں ہم اسد اللہ خان غالب کی بات کریں گے ان کا بنیادی تعارف حصہ شعر میں بیان کر دیا گیا ہے لہٰذا ایک دفعہ پھر ان کا سوانحی خاکہ بیان نہیں کیا جائے گا بس اتنا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ اسد اللہ خان غالب ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے اوائلِ عمری ہی سے انہیں مختلف قسم کے مسائل کا سامنا رہا پہلے والد اور پھر چچا داغِ مفارقت دے گئے اور راہیِ ملکِ عدم ہوئے اس کے بعد غالب کا زیادہ تر عرصہ اپنے ننھال میں گزرا۔ ننھال آسودہ حال تھا لیکن غالب کو مختلف النوع قسم کے مسائل کا سامنا رہا اگر یہ کہا جائے کہ تمام عمر (اس کے باوجود کے ان کے ننھال آسودہ حال تھے) انہیں معاشی مسائل کا سامنا رہا تو یہ غلط نہ ہو گا پھر بعد ازاں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ اور پھر احساسِ تنہائی، احساسِ محرومی اور پھر زندگی کا خاتمہ۔ غالب فروری ۱۸۶۹ ءمیں ہم سے جدا ہو گئے۔ غالب نے شاعری میں جو کیا اس حوالے سے حصہ شعر میں بات ہو گئی۔ اس لیکچر میں غالب کے خطوط نگاری کا تذکرہ کیا جائے گا۔

خطوط نگاری یا خط ایک ذاتی نوعیت کی تحریر ہوتا ہے اسے لکھتے وقت ہر شخص یہ نہیں سوچتا کہ وہ کسی ادب پارے یا فن پارے کی تخلیق کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ عموماً! مکتوب نگاری کو یا خطوط نگاری کو ادبی صنف بسا اوقات نہیں گردانا جاتا لیکن یہ لکھنے والے کا اسلوب ہوتا ہے، اس کا اندازِ تخاطب ہوتا ہے جو اس کے الفاظ کو اس کی تحریر کو ادبیت کا مرتبہ دے دیتا ہے اور غالب نے تو اپنے خطوط میں ایسا اسلوب اختیار کیا کہ جسے اگر ہم یہ کہیں کہ فورٹ ولیم کالج کے بعد جدید اردو کا نقشِ اول خطوط غالب تھے تو بے جا نہ ہو گا کیونکہ غالب کی نثر کے بعد کچھ ایسا سیلابِ آیا، کچھ سادگی و سلاست اور برجستگی کا ایسا طوفان آیا کہ تمام کی تمام مرصع کاریوں، تمام کی تمام الفاظ آرائیوں اور لفظی بازی گری کو بہا کر لے گیا۔

غالب نے اپنے خطوط سے اردو نثر کو ایک ایسا اسلوب دیا کہ جس کے نتیجے میں اس میں وسیع المعنی ابلاغ کے امکان پیدا ہوئے اور اگر یہ کہہ دیا

جائے کہ افسانوی نثر یعنی ڈرامہ، افسانہ یا ناول کے امکانات بھی دراصل خطوطِ غالب سے ہی روشن ہوئے تو کوئی غلط بات نہ ہو گی یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ خطوط غالب نے اردو نثر کو جدید اصناف کی راہ دکھا دی۔ غالب اپنے دور کے مطابق ۱۸۵۰ء سے قبل فارسی ہی میں خط لکھتے تھے اس وقت اردو میں نثر لکھنا کوئی زیادہ معیار کی بات تصور نہیں کی جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ غالب کے ہاں بھی فارسی خطوط دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس سے پہلے ان کے کچھ خطوط ہیں لیکن وہ بہت تنگ ہیں اور ان کی اس طرح سے ادبی یا جدید اردو نثر کی اصناف کے حوالے سے وہ اہمیت نہیں جو ۱۸۵۰ء میں لکھے گئے خطوط میں ملتی ہے اور اس کے بعد تو سچی بات ہے کہ غالب نے ایسی نثر لکھی ایسے خطوط لکھے کہ غالب کو شاعری میں غالب ہونا تو بیسویں صدی میں کہیں جا کر نصیب ہوا اور صحیح طور پر ہم پر غالب کی شاعری بیسویں صدی میں منکشف ہوئی اور ہمیں اندازہ ہوا کہ غالب کس قدر عظیم اور بڑے شاعر تھے لیکن خطوط اور خطوط کا اسلوب وہ زندہ تحریریں تھیں، وہ زندہ خطوط تھے، وہ زندہ مکاتیب تھے کہ جنہوں نے انہیں ان کی زندگی ہی میں خاصی شہرت دلا دی تھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ غالب کے خطوط کا ایک مجموعہ ان کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا اور ان کے طلبا کو یا ان کے شاگردوں کو اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ غالب اپنے خطوط کے ذریعے اردو نثر کو ایک زندہ و جاوید قسم کا اسلوب دے کر جانے والے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے خطوط جمع بھی کیے گئے اور ان کی زندگی ہی میں ان کا ایک مجموعہ شائع بھی ہو گیا آج غالب کے خطوط کے بہت سے مجموعے مختلف مدون شائع کر چکے ہیں جس میں ان کے اپنے دور کے حوالے سے بات کی جائے تو" اردوئے معلیٰ" ان کے اپنے دور میں اس کا پہلا حصہ آ ہی گیا تھا اس کے علاوہ "عود ہندی" اور پھر کبھی "مکاتیبِ غالب" کے نام سے "مولانا امتیاز علی عرشی" نے ان کا مجموعہءِ خطوط مرتب کیا کہیں "خطوطِ غالب" کے نام سے" مولانا غلام رسول مہر" نے ان کے خطوط کا مجموعہ مرتب کیا پھر "خلیق انجم" کا تین جلدوں میں "خطوطِ غالب" کے حوالے سے مجموعہ سامنے آیا۔ سو غالب کے خطوط کے بہت سے مجموعے ہمارے سامنے آ چکے ہیں اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آخر غالب نے اپنے خطوط میں ایسا کون سا اسلوب اختیار کر لیا تھا کہ جس کے باعث نہ صرف بعد کے محققین اور مدونین دونوں نے ان کے خطوط کو جمع کیا بلکہ ہر نقاد ہر محقق اور ہر محقق ادب اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ جدید اردو نثر کا نقشِ اول خطوطِ غالب اور نقاشِ اول اسد اللہ خان غالب ہیں۔ سو اب ہم غالب کے خطوط کے اسلوب کے حوالے سے بات کریں گے۔

جیسے کہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ خطوط بنیادی طور پر ذاتی تحریر ہے ہم جب خط لکھتے ہیں تو ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہم یہ خط چھپوانے جا رہے ہیں اور وہ لوگ جو اس خیال سے خط لکھتے ہیں کیونکہ ہمارے سامنے بہت سے مجموعۂ خطوط آتے ہیں جو آج چھپ چکے ہیں لیکن وہ لوگ جو اس خیال سے خطوط لکھتے ہیں انہیں بعد ازاں ان خطوط کو چھپوانا ہے تو ان میں ایک خاص قسم کا تصنع ایک خاص قسم کی بناوٹ یا مصنوعی احساس ہمیں بخوبی دیکھنے کو مل سکتا ہے کیونکہ شعوری طور پہ وہ یہ احساس کرتے ہیں کہ یہ خطوط بعد ازاں چھپنے ہیں لہٰذا ذات کا وہ انکشاف جو شاید ایک ذاتی تحریر میں ہونا چاہئے ان کے خطوط میں ہمیں اس طرح نہیں ملتا اسلوب کی چاشنی تو ہم دیکھ سکتے ہیں لیکن ذات کا انکشاف اور تحلیلِ نفسی ان خطوط میں ہمیں واضح طور پر نظر نہیں آتی لیکن غالب نے نہ کبھی ایسا سوچا تھا نہ انہیں اس بات کا شوق تھا نہ کوئی تمنا تھی کہ ان کے خطوط چھاپے جائیں ان کی اسلوبیاتی عظمت کا اعتراف کیا جائے وہ اس بات کا ادراک تو رکھتے تھے کہ وہ اک نیا اسلوب ایجاد کر رہے ہیں وہ ایک نیا طرزِ بیان اختیار کر رہے ہیں لیکن بہر حال انہیں اس کی تمنا نہیں تھی یہ تو ان کے شاگرد تھے جنہوں نے ان پر زور دیا، ان کے دوست احباب تھے جنہوں نے ان پر زور دیا اور ان کے خطوط کا مجموعہ معرضِ اشاعت میں آ گیا۔ بہر حال غالب کے خطوط کو کن اسلوبیاتی خصوصیات نے زندہ و جاوید کیا؟ کیوں انہیں جدید نثر کا نقاشِ اول کہا جاتا ہے؟ اب ہم ان کی اسلوبیاتی خصوصیات کے حوالے سے بات کریں گے۔

غالب کے خطوط کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی خصوصیت القاب و آداب کا خاتمہ ہے۔ القاب و آداب سے مراد یہ ہے کہ جب ہم خط کا آغاز کرتے ہیں تو جس کو ہم مخاطب کر رہے ہوتے ہیں ہم اس کے حوالے سے مختلف القاب، مختلف النوع قسم کے استعارے' تشبیہات اور کچھ ایسی الفاظ آرائی کرتے ہیں کہ جس کے ذریعے اس کی عزت و حرمت کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جائے آج خطوط میں تو ایسا نہیں ہوتا لیکن غالب سے قبل خاص طور پر اسے خاصی توجہ دی جاتی تھی، خصوصی اہتمام سے القاب و آداب لکھے جاتے تھے اور یوں کہہ لیجئے کہ خطوط کا ابتدائی پیراگراف یا ابتدائی اقتباس طویل ہوتا ہی اس وجہ سے تھا کہ لوگ القاب و آداب پر بہت زیادہ توجہ دیتے تھے جس کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نفسِ مضمون یا بنیادی محرک جس کے باعث وہ خط لکھا جارہا ہے اس پر لکھنے والے کی زیادہ توجہ نہیں رہتی تھی ہاں یہ ضرور ہوتا تھا کہ القاب و آداب زیادہ سے زیادہ لکھ کر، طویل لکھ کر، فارسی اور عربی تماثیل کا اظہار کر کے لکھنے والا اپنی اسلوبیاتی عظمت کا اعتراف کرواتا ہوا ضرور محسوس ہوتا تھا۔

لیکن غالب نے یہ محسوس کیا کہ خط پیغام رسانی ہے، خط دوسرے تک اپنی ذات کا انکشاف کرنا ہے۔ خط کے ذریعے اگر ہم واقعی سچے ہیں، اگر واقعی ہم صداقت پر یقین رکھتے ہیں تو اپنی ذات اپنے باطن کو دوسروں پر منکشف کرنا خط ہے۔ تو اس میں کسی قسم کا تصنع، کسی قسم کی بناوٹ کی کوئی جگہ نہیں بنتی۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کہ ہاں القاب و آداب بہت مختصر سے ملتے ہیں یعنی مثال کے طور پر

"میاں"، "برخوردار"، "بندہ پرور"، "مہاراج"،

"پیرومرشد"، "بھائی صاحب"

اگر تھوڑا زیادہ لکھتے تو کہتے

"میری جان کے چین، میاں سرفراز حسین۔۔۔"

"میرے مہربان، میری جان، مرزا تفتہ، سخن دان۔۔۔"

یعنی غالب نے القاب و آداب کو کم و بیش ختم کر دیا کیونکہ وہ بنیادی بات کرنے کے تمنائی ہوتے تھے ان کے پاس کہنے کو شاید بہت کچھ تھا خاص طور پر ان کے دل میں وہ بڑا اس جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد نکال نہیں پائے تھے وہ خطوط کے ذریعے نکالنا چاہتے تھے لہٰذا وہ ابتدائی نوعیت کے لوازمات پر توجہ دینا زیادہ ضروری نہیں سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے خطوط میں برجستگی پائی جاتی ہے، بے ساختگی پائی جاتی ہے مثلاً وہ کئی دفعہ یوں آغاز کرتے:

"ہاں صاحب! تم کیا چاہتے ہو؟"

یا

"مار ڈالا یار تیری جواب طلبی نے۔۔۔۔"

یعنی یہ وہ ساختہ اور برجستہ انداز ہے جس میں پڑھنے والا فوری طور پر اس کیفیت کو محسوس کر لیتا ہے جس میں لکھنے والا ہوتا ہے۔

غالب کے خطوط کی دوسری خصوصیت دعا سلام اور تاریخ وغیرہ کے حوالے سے وہ انتظام' وہ اہتمام جو پہلے کیا جاتا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا یعنی جیسے کہہ لیجئے غالب القاب و آداب میں بہت بخیلی سے کام لیتے ہیں یا بہت اختصار سے کام لیتے ہیں اسی طرح دعا سلام کے حوالے سے بھی ان کے ہاں اختصار اور برجستگی پائی جاتی ہے مثلاً وہ یوں خط میں لکھتے ہیں

"نورِ چشم، راحتِ جان، میرے سرفراز حسین، جیتے رہو اور خوش رہو۔"

یا لکھتے

''ناوکِ بے داد کا ہدف، پیر خرف، یعنی غالب! آداب بجالاتا ہے۔''

یا

''قبلہ کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ کوئی ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے،

وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے''۔

یوں آپ دیکھیئے کہ دعا سلام بھی ہو جاتی ہے اور کیفیتِ قلبی کا بیان بھی شروع ہی سے ہونے لگتا ہے۔

غالب کے خطوط کی تیسری بڑی خصوصیت مکالماتی انداز ہے۔خط، مراسلہ یا پیغام رسانی کا ایک ذریعہ تھا جس کے ذریعے لکھنے والا یا کچھ سوال کرتا یا اپنے حالات و واقعات کو بیان کرتا تھا لیکن غالب نے اس میں ایک خاص زندگی پیدا کی یعنی کچھ ایسا محسوس ہونے لگا جس کو، جس شخص کو وہ خط لکھ رہے ہیں یعنی مکتوب کو، وہ ان کے سامنے موجود ہو یعنی اس سے مکالماتی انداز اختیار کرتے تھے اور ایک ایسا بالواسطہ انداز کہ ان کے خطوط کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غالب خط نہیں لکھ رہے بلکہ اپنے مکتوب سے باتیں کر رہے ہیں اور اس بات کا احساس غالب کو بذاتِ خود خاصی حد تک تھا کیونکہ کئی ایسے خطوط ملتے ہیں جن میں وہ خود اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ دراصل خط نہیں لکھا جا رہا بلکہ میں تو تم سے باتیں کر رہا ہوں جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''پیر و مرشد، یہ خط لکھنا نہیں، باتیں کرنی ہیں''۔

یا ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں

'' بھائی، مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا ہے کو ہے، مکالمہ ہے۔''

پھر ایک اور جگہ لکھتے ہیں

'' اب حضرت سے باتیں کر چکا، خط کو سر نامہ کر کے کہار کو دیتا ہوں''۔

یعنی کسی بھی موقع پر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ وہ خط لکھ رہے ہیں۔ بلکہ خط لکھتے وقت ان کو یہ احساس ہوتا تھا خاص طور پر گوشہ تنہائی میں، ایک ایسا شخص کہ جس کے پاس بڑھاپے میں کوئی زیادہ دوست احباب بھی نہ رہے ہوں، ایک ایسا شخص جو بزم آرائیوں کا قائل تھا، جو محفل آرائی کا قائل تھا جب اس کے پاس کوئی زیادہ لوگ موجود نہیں رہتے تو پھر گوشۂ تنہائی میں وہ جس کو خط لکھتا ہے اس کو گویا اپنے پاس محسوس کرتا ہے اس کی قربت کو محسوس کرتا ہے اور پھر وہ اسے غیب میں یا اسے فاصلے سے ' دور سے خط نہیں لکھتا بلکہ اس سے باقاعدہ طور پر، بالواسطہ طور پر چشمِ تخیل کے بل بوتے پر اس سے باتیں کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے اب آپ کے سامنے جو مثال آئے گی اس میں باقاعدہ طور پر ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید غالب کوئی ڈرامے کا سکرپٹ لکھ رہے ہیں جس میں ایک صورت بھی ہے اور مکالماتی انداز بھی وہ لکھتے ہیں:

''محمد علی بیگ ادھر سے نکلا، بھئی محمد علی بیگ !لوہارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟

حضرت ابھی نہیں۔

کیا آج نہ جائیں گے؟

آج ضرور جائیں گے۔ تیاری ہو رہی ہے۔۔۔''

آپ نے دیکھا کہ ایک خاص ڈرامائی انداز ہے اور پھر اس مکالمے میں غالب جدت کچھ یوں پیدا کرتے ہیں کہ بسا اوقات جس سے بات کر رہے ہوتے ہیں اسی کو (یعنی واحد حاضر 'یا جمع حاضر 'یا سامنے والے بندے سے جس سے بات کر رہے ہیں مکالماتی انداز میں) وہ بیک وقت واحد بھی

رکھتے ہیں یاsecond person بھی رکھتے ہیں اورthird person کے طور پر غائب بھی کر دیتے ہیں مثلاً واحد غائب کا استعمال کرتے ہیں جیسے مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں

"میر مہدی جیتے رہو۔ آفرین، صد ہزار آفرین! اردو لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے
کہ مجھے رشک آنے لگا ہے۔ سنو، دلی کی تمام مال و متاع و زر گوہر کہ لوٹ
پنجاب کے احاطے میں کی گئی ہے۔ یہ طرزِ عبارت خاص میری دولت تھی،
سو ایک ظالم پانی پتی انصاریوں کے محلے کا رہنے والا لوٹ لے گیا۔"

آپ نے دیکھا کہ وہ میر مہدی سے بات شروع کرتے ہیں اور بعد ازاں پانی پت کے انصاریوں کا تذکرہ کرنے لگتے ہیں حالانکہ وہ مخاطب میر مہدی ہی سے ہیں یوں ہمیں احساس ہوتا ہے کہ شاید وہ کسیthird person کے حوالے سے بات کر رہے ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ میر مہدی ہی سے مخاطب ہیں اور دوسری بات جو اس اقتباس سے واضح طور پر نوٹس کی جاسکتی ہے، محسوس کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ غالب کو بذاتِ خود اس بات کا احساس تھا وہ جانتے تھے کہ جو طرزِ احساس انہوں نے ایجاد کیا ہے یا اختیار کیا ہے وہ دراصل ان سے پہلے اختیار نہیں کیا جاتا تھا عموماً لوگ اس سادگی اس برجستگی اور اس شائستگی کے ساتھ خط قلم بند نہیں کرتے تھے بلکہ عموماً اس میں تصنع اور بناوٹ پائی جاتی تھی تو غالب میر مہدی سے کہتے ہیں کہ یہ طرزِ عبارت جو میں نے ایجاد کیا تھا وہ انہوں نے اپنا لیا یعنی میر مہدی مجروح نے اپنا لیا تو اس کا مطلب کیا ہے کہ ایک ایسا طرزِ عبارت ہے یہ جس کا اتباع ابھی شروع ہو گیا ہے جسے شہرت بھی ملنے لگی ہے۔

غالب کے خطوط کی ایک بڑی خصوصیت شوخی اور ظرافت ہے غالب کی شاعری پر بات کرتے ہوئے ہم نے یہ کہا تھا کہ غالب کی شاعری کی ایک بڑی خصوصیت احساسِ طرب یا شوخی و ظرافت ہے دراصل بات یہ ہے کہ شوخی و ظرافت اسلوبیاتی خصوصیت نہیں اس کا تعلق ہماری نفسیات سے ہے یعنی ہمارا مزاج کیسا ہے؟، ہم سوچتے کیا ہیں؟، ہمارا اندازِ تخاطب کیا ہے؟، ہماریoverall life کاpettern کیا ہے؟ اس سے ہم دراصل تعین کرتے ہیں کہ کسی کی طبیعت میں سنجیدگی زیادہ پائی جاتی ہے یا شوخی و ظرافت پائی جاتی ہے یا کوئی ہنس مکھ ہیں؟ تو چونکہ شوخی و ظرافت غالب کے مزاج کا حصہ تھی لہٰذا یہ خصوصیت ہمیں ان کی شاعری میں بھی بخوبی ملتی ہے اور ان کے خطوط بھی اس خصوصیت سے بھر پور ہیں شوخی و ظرافت کی ایک قسم بلیک ہیومر ہوتی ہے یعنی ایسا ہیومر ایسا مزاح جس کو پڑھ کر، جس کو سن کر ایک لمحے کے لیے لبوں پہ تبسم تو آتا ہے لیکن بعد ازاں ایک خاص غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے یعنی ایک ایسا طنز کہ جو لبوں پر تبسم، مسکراہٹ تو لاتا ہے لیکن اس کے بعد ایک لمحے کو سوچنے پر ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ یہ شخص تو اپنے ہی آپ کو طنز کر رہا ہے، یہ شخص تو مزاح کے پیرائے میں اچھی خاصی سنجیدہ بات کر رہا ہے تو غالب کے خطوط میں سادہ شوخی و ظرافت کی مثالیں تو ملتیں ہی ہیں ان کے ہر دوسرے خط میں یا عموماً خطوط میں بلیک ہیومر کی مثالیں بھی دیکھنے کو ملتیں ہیں یہاں جس اقتباس کا حوالہ دیا گیا ہے یہ آپ کے نصاب میں بھی شامل ہے لہٰذا اگلے لیکچر میں بھی اس کا ذکر ہو گا لیکن یہاں صرف مثال کے طور پر یہ اقتباس دیکھئے غالب نواب علاؤالدین احمد سے گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

" شیر اپنے بچوں کو شکار کا گوشت کھلاتا ہے۔ طریق صید افگنی سکھاتا ہے۔ جب جوان ہو
جاتے ہیں، آپ شکار کر کھاتے ہیں۔ تم سخن ور ہو گئے، حسنِ طبع خدا داد رکھتے ہو، ولادت
فرزند کی تاریخ کیوں نہ کہو؟ اسم تاریخی کیوں نہ نکال لو، کہ مجھ پیر غم زدہ، دلِ مردہ کو تکلیف
دو۔ علاؤالدین احمد خان، تیری جان کی قسم! میں نے پہلے لڑکے کا جو اسم تاریخی نظم کر دیا تھا

،اور وہ لڑکا نہ جیا، مجھ کو اس وہم نے گھیرا ہے کہ وہ میرے نحوستِ طالع کی تاثیر تھی۔ میرا
ممدوح جیتا نہیں۔
نصیر الدین حیدر اور امجد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل دیئے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں
کے متحمل ہوئے، پھر نہ سنبھل سکے۔ جس کی مدح میں دس، بیس قصیدے کہے گئے وہ عدم سے
بھی پرے پہنچا۔ نہ صاحب، دہائی خدا کی! میں نہ تاریخ ولادت لکھوں گا، نہ نام تاریخی
ڈھونڈوں گا"۔

آغاز میں ہلکے پھلکے سے انداز میں کہ ایک بندہ جو خود اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے، سخن ور ہے وہ خود بھی کہہ سکتا ہے لیکن اس کے بعد خود پر طنز، خود پر طعن و تشنع کرتے ہیں اور اپنی ہی کمتری، اور بنیادی طور پہ اپنی ہی محرومیوں کا احساس دلاتے ہوئے کہ شاید حالات کچھ ایسے ہو گئے ہیں یا قسمت نے کچھ ایسا اڑ سا ہے کہ مجھ سے نامِ تاریخی لکھوانے کے نتیجے میں شاید پیدا ہونے والا اس دنیا ہی میں نہ رہے۔ ایک لطیف سی تبسم لیکن انتہائی اندوہ ناک اختتام۔ بات یہ ہے کہ جس شخص نے تمام کی تمام عمر اس جدوجہد میں گزار دی ہو وہ خود کو تسلیم تو کروالے، کوئی اس کی حقیقت کا، کوئی اس کی عظمت کا احساس تو کرلے وہ آخر میں جا کر ایسا ہی دراصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو بھی طنز سے خارج تصور نہیں کرتا۔
غالب کے خطوط کی ایک اور بڑی خصوصیت ان کے ہاں پایا جانے والا اپنے حالات کا بیان ہے یعنی وہ اپنے حالات کو اپنے خطوط میں محفوظ کر لیتے ہیں جیسا کہ شروع میں آپ کو بتایا گیا تھا کہ خط ذاتی تحریریں ہوتیں ہیں لہٰذا ذات کا بیان ان میں کیا جاتا ہے لیکن غالب کے خطوط کی اہمیت یہ ہے کہ اگر ہم غالب کی زندگی کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں، اگر ہم غالب کے حالات و واقعات کو جاننا چاہیں تو ان کے خطوط کسی بھی دوسرے حوالے کے مقابلے میں ان سے معتبر بھی ہیں اور مکمل بھی۔ ایک تو بات یہ کہ غالب نے بہت سے خطوط لکھے اور دوسری بات یہ کہ وہ خطوط میں خیالی باتیں کرنی کی بجائے، لفظ آرائی کرنے کی بجائے وہ حقیقت پسند تھے' حقیقت کے قریب رہتے تھے اور اپنے گردونواح کے حالات اور اپنے حالات مکمل طور پر بیان کرتے تھے اگلے لیکچر میں جب ہم غالب کا پہلا خط پڑھیں گے جو انہوں نے مرزا ہر گوپال تفتہ کے نام لکھا تھا اس میں آپ دیکھیں گے کہ غالب نے اپنے گردونواح کے حالات بیان کیے جبکہ دوسرا خط جو نواب علاؤالدین علائی کے نام لکھا گیا' میں آپ یہ دیکھیں گے کہ غالب نے کس طرح سے اپنے متعلق روشنی ڈالی تھی سو غالب کے خطوط ان کی اپنی آپ بیتی بھی ہیں، ماخذ بھی ہیں اور معتبر حوالا بھی۔ غالب اپنے خطوط میں لکھتے ہیں

"میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو، ایک آدھ دن میں ہمسایوں سے پوچھنا"۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ غالب شروع سے آخر تک اپنے متعلق روشنی ڈالتے تھے ظاہر ہے کہ لکھنے والا ان سے پوچھتا ہو گا یا دریافت کرتا ہو گا کہ ان کی خیر و عافیت ہے؟ ان کی صحت کیسی ہے؟ ان کے حالات و واقعات کیسے جا رہے ہیں؟ ان کے معاشی حالات کیسے ہیں؟ ان کے خانگی حالات کیسے ہیں؟ کس نوعیت کی کیفیات نے آج کل ان پر غلبہ کیا ہوا ہے؟ تو غالب جب ان تمام سوالات کا جواب دیتے ہوں گے تو ان کے خطوط ان کی آپ بیتی کا ایک بہت بڑا حوالہ ایک بہت بڑا ماخذ بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر جو اردو تنقید میں ایک بڑا نام رکھتے ہیں (خاص طور پر نفسیاتی تنقید کے حوالے سے)، کہتے ہیں کہ کسی بھی شخص کے حوالے سے اگر ہم نفسیاتی تنقید پر بات کرنا چاہیں یعنی اگر ہم اس کی تحلیلِ نفسی کرنا چاہیں مگر یہ جائزہ لینا چاہیں کہ دراصل اس فن پارے میں نفسیاتی اعتبار سے کون سے مطالعاتی پہلو نکلتے ہیں تو خطوط اس کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں کیوں کہ دراصل کوئی بھی شخص اپنے اس persona سے باہر ہوتا ہے، جو غلاف ہم اپنے اوپر چڑھا لیتے ہیں جس کے باعث ہماری ذات ہماری شخصیت

حقیقتاً دوسرے کے سامنے نہیں آتی ہم کبھی مثال کے طور پر اگر میں اپنی بات کروں تو ہم کبھی بطور معلم معاشرے کے سامنے آتے ہیں اگر ہم تعلیمی سفر میں ساتھ ساتھ ہیں تو دوسرے ہی مقام پر متعلم ہوں گے پھر اگر ہم خانگی زندگی کی بات کریں تو ہم باپ ہو سکتے ہیں، بیٹے ہو سکتے ہیں، بھائی ہو سکتے ہیں پھر اسی طرح سے دوست احباب میں ہوں گے تو ہم اپنا ایک خاص status برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے۔ سو شاید اصل انسان مثلاً فیصل کمال حیدری کی حقیقت کیا ہے؟ میں باپ ہو سکتا ہوں، بھائی ہو سکتا ہوں، استاد ہوں، شاگرد ہوں لیکن بذاتِ خود وہ شخص، وہ انسان کہاں موجود ہے مجھ میں، اس کا اظہار ہمیں خطوط کے ذریعے یا ان ذاتی تحریروں کے ذریعے ہمیں ملتا ہے جو معرضِ اشاعت میں نہیں آتیں یا کم از کم ہم ان تحریروں کو رقم کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ یہ کبھی معرضِ اشاعت میں آجائے گی۔

سو ڈاکٹر سلیم اختر یہ کہتے ہیں کہ خطوط کسی کی ذات کے انکشاف کا بہت بڑا ذریعہ ہیں اور تحلیلِ نفسی میں خطوط کی اہمیت نفسیاتی تنقید میں ماخذ کے طور پر بہت زیادہ ہے۔ بہر حال ہم بات کر رہے تھے غالب کے خطوط کی اسلوبیاتی خصوصیات پر۔ تو غالب کے خطوط کی ایک بہت بڑی خصوصیت ان میں پائی جانے والی تاریخ ہے۔ حصہ شعر میں میر تقی میر پر بات کرتے ہوئے ہم نے خاصا حوالہ دیا اس بات کا کہ میر کا عصری شعور بہت زیادہ تھا میر کی نظر اپنے گردونواح میں بہت زیادہ رہتی تھی وہ اپنی دھرتی سے، بہت زیادہ محبت کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کہ ہاں ہمیں بہت سے ایسے شعر ملتے ہیں جن میں دراصل دہلی کے اجڑنے کا ذکر کرتے ہیں کبھی اپنی قوم کے روبہ زوال ہونے کی بات کرتے ہیں کبھی نئی تبدیلیوں کا تذکرہ کرتے نظر آتے ہیں سو ان کے ہاں عصری شعور کے باعث ان کے عہد کے نمونے ’ان کے عہد کے حالات ان کے اشعار میں محفوظ نظر آتے ہیں۔

غالب کے ہاں شاعری میں تو بہر حال یہ صورتحال کچھ بہت زیادہ محسوس نہیں ہوتی لیکن غالب کے خطوط اپنے دور کی تاریخ کے حوالے سے خاصی اہمیت رکھتے ہیں خاص طور پر یہ اس دور میں لکھے گئے تھے جب مغلیہ سلطنت زوال کا شکار ہونے کے بعد ختم ہو چکی تھی اس کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گل ہو چکا تھا اور اب نئے حالات تھے نیا زمانہ تھا اور حاکم کیونکہ بالکل نئے تھے لہٰذا ظلم بھی زیادہ تھا پابندیاں بھی زیادہ تھیں تو ایسے میں کسی کے لیے بھی کھل کر بات کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی ان حالات میں غالب کے خطوط ہمیں اس دور کی غیر رسمی تاریخ کے حوالے سے ہمارے لیے بہت معاون ہوتے ہیں یا ہماری بہت مدد کرتے ہیں دیکھیئے عموماً محققین جب کسی واقعات کے حوالے سے بات کرے ہیں تو تاریخ عموماً بالائی طبقات تک محدود نظر آتی ہے تاریخ کے حوالے سے عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ تاریخ بنیادی طور پر شہنشاہوں کی ہوتی ہے ’ بادشاہوں کی ہوتی ہے تاریخ تو دراصل حکومتوں کے الٹنے، حکومتوں کے بننے، ان کی شکست وریخت، ان میں آنے والے انتشار کا نام ہے ان کی عوام جن میں بہت سے واقعات ہوتے ہیں جو خوشیاں منانے کا ایک خاص انداز رکھتے ہیں جن کے مخصوص رسم ورواج ہوتے ہیں ان کی تاریخ عموماً تحریروں میں آ ہی نہیں پاتی ان کی عوام تو وہ گمنام کردار ہیں کہ جو روزِ ازل سے شاید تا قیامت اپنی زندگی جیئے گے نہ ان کے آنے کا کسی کو پتا چلتا ہے اور نہ جانے کا۔

یوں کہہ لیجئے کہ شاید عوام گہرے سمندروں کے وہ قطرے ہیں کہ جو کبھی موجوں کی صورت میں ساحل تک پہنچ ہی نہیں پاتے وہ گہرے سمندروں ہی میں غرق ہو جاتے ہیں انہی میں بنتے ہیں اور انہی کا حصہ بن جاتے ہیں اور پھر نہ کوئی ان کے آنے کے حوالے سے جان پاتا ہے نہ ان کے جانے کے حوالے سے۔ تو غالب کے خطوط اس حوالے سے ہمارے لیے اہم ہیں کہ ان میں ہمیں بالائی طبقات کی یا تغیراتِ زمانہ کی تاریخ تو ملتی ہی ہے لیکن ان بہت سے لوگوں کے حالات بھی پڑھنے کو مل جاتے ہیں، ان کے متعلق بہت سی معلومات مل جاتیں ہیں جو گمنام کردار تھے جو عام لوگ تھے جن کا تذکرہ شاید نہ ہمیں کسی تاریخِ ادب میں ملے گا نہ کسی سیاسی تاریخ میں مل پائے گا کیونکہ ان کے اثرات حکومتوں پر نہیں تھے

ان کے اثرات تہذیب و ثقافت پر بھی نہیں تھے لیکن ان کی ایک شخصیت تھی جو شاید منصہ شہود پر آہی نہ پاتی اگر غالب انہیں خطوط میں محفوظ نہ کر دیتے۔ سو غالب کے خطوط تاریخ کے حوالے سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں اپنے دور کی ایک زندہ و جاوید تاریخ ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں ۔

غالب کے خطوط کی ایک بڑی خصوصیت اس میں پائی جانے والی منظر نگاری ہے۔ یہ خصوصیت بھی خطوط سے متعلق نہیں لگتی خط لکھنے کا مقصد اپنی بات دوسرے تک پہنچانا، اپنی کیفیت کو دوسروں تک پہنچا دینا تو ہو سکتا ہے لیکن اپنے گردونواح کے متعلق لکھنا کہ آپ کن حالات میں لکھ رہے ہیں؟ آپ کے دائیں بائیں کیا ہو رہا ہے؟ منظر کیا ہے؟ کیا صورت ہے؟ اس کی جزئیات کیا ہیں؟ غالب کے خطوط میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام تر تفصیلات ہمیں ملتیں ہیں اس کی شاید ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا تھا کہ غالب بنیادی طور پر جسے خط لکھتے ہیں اس غائب تصور نہیں کرتے، اسے اپنے سے دور نہیں مانتے بلکہ وہ اسے اپنے قریب اپنے ساتھ محسوس کرتے ہیں لہٰذا وہ تمام باتیں جو شاید کسی کی موجودگی میں گردونواح کے حوالے سے، منظر نگاری کے حوالے سے، جزئیات کے حوالے سے ہو سکتی تھیں وہ تمام خط میں لکھنا ضروری سمجھتے ہیں پھر اس کا ایک اور محرک یہ ہو سکتا ہے کہ غالب یہ چاہتے تھے کہ پڑھنے والا جب ان کی بات کو پڑھے تو وہ واقعتاً کلیتاً، حقیقتاً وہ اس کیفیت، اس وقت، اس صورتحال کو پالے کہ جس میں یہ الفاظ ضابطہ تحریر میں لائے گئے چنانچہ غالب کے خطوط میں منظر نگاری ہمیں بخوبی دیکھنے کو ملتی ہے۔
غالب کے خطوط کی ایک بڑی خصوصیت اس میں پائی جانے والی ڈرامائیت ہے ابھی ہم نے منظر نگاری کا تذکرہ کیا اُس سے پہلے مکالماتی انداز کے حوالے سے بات کی تھی اگر ان دونوں خصوصیات کو ملا لیا جائے تو اس کے نتیجے میں ڈرامائیت معرضِ وجود میں آتی ہے یعنی آپ پورے طریقے سے ایک منظر بیان کرتے ہیں، جزئیات بیان کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد ڈائلاگ کرتے ہیں تو لکھے ہوئے الفاظ متحرک تصویروں کا روپ دھار لیتے ہیں غالب کے خطوط میں یہ ڈرامائیت ہمیں بخوبی دیکھنے کو ملتی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا تھا کہ کبھی وہ مخاطب کو واحد غائب میں لے جاتے ہیں اور کبھی مخاطب سے بات کرتے ہوئے third person کو متعارف کروا کر اس سے مکالماتی انداز شروع کر دیتے ہیں مثال کے طور پر یہ خط کا ٹکڑا دیکھئے کہ جس میں وہ خط کسی اور کو لکھ رہے ہیں اور بات کسی اور سے کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ

"اے میرے صاحب! السلام علیکم"۔

"حضرت آداب!"

"کہو صاحب، آج اجازت ہے میر مہدی کو خط کا جواب لکھنے کی؟"

"حضور، میں کیا منع کرتا ہوں؟ مگر میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں، پھر آپ کیوں تکلیف کریں؟"

" نہیں میرن صاحب! اس کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں، وہ خفا ہوا ہو گا۔ جواب لکھنا ضرور ہے۔"

"حضرت، وہ آپ کے فرزند ہیں، آپ سے خفا کیا ہوں گے"۔

" بھائی، آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے باز رکھتے ہو"۔

سبحان اللہ! اے لو حضرت، آپ تو خط نہیں لکھتے، اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے۔۔۔۔۔"

اب دیکھئے کہ یہ خط لکھا جا رہا ہے لیکن ہر لحظہ یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید کسی معاملے کو، کسی واقع کو رپورٹ کیا جا رہا ہے بہر حال غالب کے ہاں اس

اندازِ تخاطب کو، اس اندازِ بیان کو ہم غالب کے ہاں پائی جانے والی ڈرامائیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ غالب نے اپنے خطوط کے ذریعے، اپنے خطوط کے خاص اسلوب کے ذریعے دراصل افسانوی ادب کو ایک نیا رستہ دکھایا تھا ان سے قبل داستان نویسی، داستان نگاری جاری وساری تھی لوگ داستان گوئی کرتے تھے طویل قصے کہانیاں لکھے جاتے تھے نظم میں مثنویات کی صورت میں لکھے گئے تھے بعد ازاں خاص طور پہ فورٹ ولیم کالج کے متعارف ہو جانے کے بعد نثر بھی لکھے جانے لگے پھر فسانۂ عجائب کی صورت میں ایک مشکل پسند قسم کا داستان گوئی کا اسلوب بھی ہمارے سامنے آیا لیکن جدید افسانوی نثر جو ناول ڈرامے یا افسانے سے عبارت ہے اس میں جو منظر نگاری درکار تھی، جو ڈرامائیت درکار تھی جس نوعیت کے مکالمات اس میں ہونے چاہئیے تھے وہ ہمیں دراصل غالب کے خطوط میں ابتدائی صورتوں میں مل جاتے ہیں ہم یہاں یہ نہیں کہنا چاہتے کہ ہم غالب کے خطوط پر کسی افسانے کا یا کسی ڈرامے کا اطلاق کر سکتے ہیں یا اس پر گمان کیا جا سکتا ہے کہ یہ ڈرامہ یا افسانہ تھے لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی چیز کسی چیز کا یا کسی مستقبل میں آنے والے نظریہ یا theory یا اسلوب کا بنیادی طور پر نقشِ اول ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم اس سے بہت کچھ حاصل کرتے ہیں اس کے ہیولے ہمیں اس میں ملتے ہیں بعد ازاں وہ مکمل تصویر کا روپ دھارتے دھارتے کس نتیجے پر پہنچتے ہیں یا کس صورتحال پر پہنچتے ہیں یہ ایک الگ بات ہے لیکن وہ ڈرامائیت جو بعد ازاں ہمیں افسانوں میں دیکھنے کو ملی ڈراموں کا خاصا رہی یا وہ مکالماتی انداز جو ڈراموں میں ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے یا افسانوں کی بھی اس میں کسی حد تک خصوصیت ہوتی ہے وہ غالب کے ہاں ہمیں خطوط ہی سے مل جاتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ تمام ناقدین اور محققین اس بات پر متفق ہیں کہ غالب کے خطوط جدید اردو نثر کا نقطۂ آغاز ہیں یا اس کا پہلا سنگِ میل ہیں۔

خط ایک ذاتی تحریر ہے وہ تحریر کہ جس سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا آج دور بہت آگے نکل گیا ہے اور شاید اگر آج ہم یہ کہیں کہ خطوط اور خاص طور پر ذاتی خطوط کا سلسلہ موقوف ہو کر رہ گیا ہے تو غلط نہیں ہو گا کیونکہ وہ لوگ جو آج سے ڈیڑھ سو سال زندہ تھے ان کے پاس ٹیلی فون یا موبائل فون یا انٹرنیٹ جیسی سہولیات موجود نہیں تھیں لہٰذا انہیں خطوط پر انحصار کرنا پڑتا تھا آج وہ دور آگیا ہے کہ جس میں ہمیں ان سہولیات کے بعد شاید خط کی ضرورت ہی نہیں ہے لہٰذا آپ کے نصاب میں غالب کے خطوط کو شامل کرنے کا مقصد عمومی روایات سے ہٹ کر یہ نہیں ہے کہ آپ کو یہ بتایا جائے کہ خط کیسے لکھا جاتا ہے؟ بلکہ آپ کے نصاب میں خطوط اس لیے شامل کیے گئے ہیں کہ ہم یہ دیکھ سکیں کہ وہ نثر نگار جس نے اپنے خطوط کے ذریعے اردو نثر کو جدید اسالیب کی راہ سجھائی تھی اس کا اسلوب کیا تھا؟ نہ ہمارا مطمع نظر یہ دیکھنا ہے کہ آپ خط کیسے لکھتے ہیں یا آپ غالب کے طریقۂ اسلوب کو اپنا پاتے ہیں یا نہیں بلکہ یہاں پر صرف یہ تاثر دینا اس بات کا احساس دلانا مقصود تھا کہ ہم یہ دیکھ سکیں اردو نثر جو آج تمام کے تمام تر ارتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد عالمی ادبیات کے مقابلے کی صورت میں ہمیں نظر آتی ہے عالمی ادبیات کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو چکی ہے اس کا آغاز کہاں سے ہوا تھا۔

ہم نے گذشتہ لیکچر میں مجموعی طور پر ابتدائی نمونوں کی بات کی تھی اور اس لیکچر میں غالب کے خطوط کے اسلوب پر روشنی ڈالنے کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا کہ ہم دیکھیں کہ ان ابتدائی نمونوں کے بعد اردو نثر کس بنیاد پر کھڑی ہوئی اردو نثر کی عمارت کس بنیاد پر کھڑی کی گئی اور یہ عمارت کیا تھی یہ عمارت تھی اس بنیادی اسلوب کی جو غالب نے اپنے شاعری میں اختیار کیا تو جدید شاعری کا آغاز ہو گیا اور جب وہ تخلیقی اسلوب نثر میں ڈھلا تو اردو نثر کو جدیدیت کی راہ مل گئی بہر حال دونوں صورتوں میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ غالب نے اردو ادب پر ان مٹ نقوش مرتب کیے شاید ہر شخص کے بس میں نہیں ہوتا کہ وہ ایک صدی پر نہیں بلکہ ایک ادب پر غالب ہو جائے کیونکہ ادب وقت یا سال یا مہینے یا ہفتوں یا لمحات کا متقاضی نہیں ہوتا اس میں اسے محدود نہیں کیا جا سکتا ادب شروع ہو جائے تو پھر اس کا سفر جاری وساری رہتا ہے۔

اور آج ہم دیکھ سکتے ہیں کہ وہ نثر جو کبھی مقامی اثرات میں تھی کبھی اس پر فارسیت کے اثرات غالب ہو گئے کبھی اس میں تصنع اور بناوٹ کے

ایسے نمونے ہمارے سامنے لائے گئے کہ جن پر خواہ کتنا ہی رشک کیا جائے جنہیں پڑھ کر خواہ کتنی ہی داد و تحسین دی جائے کہ ایسی نثر لکھنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں لیکن اس کے باوجود ہم اس میں وہ بلاغت وہ فصاحت وہ تاثیر محسوس نہیں کرتے لیکن آج جو نثر ہمارے سامنے موجود ہے اس کی بنیاد اس شخص کے اسلوب پر ہے یا اس کے طرزِ بیان پر ہے کہ جو اس بات کو جان چکا تھا (خاص طور پر ۱۸۵۰ء کے بعد جب غالب نے اردو خطوط کا آغاز کیا تب وہ دیکھ چکے تھے) کہ مشکل پسندی کے کیا نتائج ہوتے ہیں مشکل پسندی کے نتیجے میں آپ کس طرح isolation کا شکار ہو جاتے ہیں لوگوں سے الگ تو ہو جاتے ہیں انفرادیت تو قائم ہو جاتی ہے امتیاز کا حصول تو ہو جاتا ہے لیکن بہر حال کیونکہ اس پہ بلاغت اس طرح نہیں پائی جاتی وہ کلام یا وہ بیان اس قدر فصیح نہیں ہوتا لہٰذا عظمت کا معیار اسے تصور نہیں کیا جا سکتا پھر غالب نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ آنے والا دور فارسی کا دور نہیں ہے آپ دیکھئے کہ غالب کا دیوان ہو فارسی کا یا خطوطِ غالب ہوں غالب ۱۸۵۰ء کے بعد یعنی وہ دور کہ جب وہ دربار سے منسلک ہوئے جب ان پر یہ باتیں واضح طور پر منکشف ہو گئیں کہ اب دور بدلنے کو ہے جیسا کہ انہوں نے ایک شعر میں بھی کہا تھا کہ:

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر

کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

تو ان کو یہ بات منکشف ہو گئی تھی کہ اب مشرقی تہذیب پر مغربی تہذیب غالب آنے کو ہے اب پرانے اسالیب ختم ہونے کو ہیں اب نئے اسالیب کے لیے نئے طرزِ بیان کے لیے ایک خلاء پیدا ہو چکا ہے جسے غالب نے بخوبی محسوس کیا انہوں نے ۱۸۵۰ء کے بعد فارسی شاعری بھی کم و بیش ترک کر دی ۱۸۵۰ء کے بعد انہوں نے فارسی میں خطوط نویسی بھی تقریباً ختم کر دی اور پھر آئیندہ امثال میں انہوں نے شاعری کے اعتبار سے اور نثر دونوں کے اعتبار سے انہوں نے اردو ادب کی وہ خدمت کی، اردو کو اسالیب سے نوازا کہ جو شعریت کے حوالے سے ہوں یا نثر کے حوالے سے جدیدت کا نقطہ آغاز ہمیں دیوانِ غالب اور خطوطِ غالب ہی نظر آتے ہیں۔

آئیندہ لیکچرز میں ہم بات کریں گے ناول نگاری، مضمون نگاری اور مختلف دیگر آنے والی اصناف کے حوالے سے۔ غالب کے خطوط اسلوبیاتی اعتبار سے اس اہمیت کے حامل ہیں ان میں ہمیں کیا ملتا ہے اس پر تو کافی بات ہو چکی لیکن اب آخر میں صرف آپ سے اس خواہش کا اظہار کرنا چاہے گے کہ آپ غالب کے شاملِ نصاب خطوط کے علاوہ بھی غالب کے خطوط کو پڑھ کر دیکھیں تو آپ کو احساس ہو گا کہ آپ ایک ایسی شخصیت سے مل رہے ہیں ایک ایسی شخصیت آپ کے سامنے روبرو ہے کہ جو تمام تر عظمت کے باوجود جو تمام تر تخلیقیت کے باوجود بذاتِ خود کس قدر تنہا تھی بذاتِ خود کس طرح کی احساسِ محرومی میں پڑی تھی بذاتِ خود اسے کس نوعیت کے مسائل کا سامنا تھا ایک ایسا شخص جو ہمیشہ مسکراہٹیں بکھیرتا تھا ایک ایسا شخص کہ جس کی تحریر شوخی و ظرافت سے بھرپور تھی وہ شخص کہ جو انانیت سے بھرپور تھا وہ آخری عمر میں بڑھاپے میں آکر کس قدر تنہا ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود اس کی غیرت اس کی حمیت' اس کی انانیت اس کے ساتھ ہمیشہ موجود تھی وہ کچھ بھی کر سکتا تھا لیکن اپنی انانیت پر سودا نہیں کر سکتا تھا وہ کچھ بھی دیکھ سکتا تھا لیکن خود کو سرِ بازار رسوا ہوتے دیکھ نہیں سکتا تھا اس کی رگوں میں وہ خون دوڑ رہا تھا کہ جو منگولوں کا خون تھا وہ منگول کہ جنہوں نے کبھی شکست کو تسلیم نہیں کیا تھا غالب ایک ایسی شخصیت ہے کہ جس کا مطالعہ ادب فن تخلیقیت اور اسلوبیاتی امتیاز سے ہٹ کر بطور شخصیت بھی ہمارے لیے بہت مفید ہو سکتا ہے بہت کار آمد ہو سکتا ہے ہم ان کے خطوط کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کی شخصیت کا انکشاف کھل کر کرتے ہوئے ہم اپنے لیے بہت سے اسباق سیکھ سکتے ہیں ہمارے لیے اس میں بہت سے اسباق موجود ہیں ہمیں مستقبل کے لیے اپنا لائحہ عمل ترتیب دینے میں بہت معاونت ہو سکتی ہے سو نصاب تک محدود نہ رہیے کوشش کیجیے کہ توضیحی مطالعہ کیجئے نصاب سے ہٹ کر غالب کا مطالعہ کریں آپ پر معنی و مفاہیم کے نئے در واہ ہوں گے اور آپ جان پائیں گے کہ وہ شخص کہ جس نے یہ کہا تھا کہ:

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کے غالب میرے اشعار میں آوے

اس کی شاعری میں آنے والا لفظ ہی نہیں بلکہ اس کی نثر میں آنے والے الفاظ بھی گنجینۂ معنی کا طلسم تھے اگلے لیکچر میں ہم غالب کے شاملِ نصاب خطوط کے حوالے سے بات کریں گے۔

Back to Conversion Tool

Back to Home Page